DAMAGE BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222052
UNIVERSAL
LIBRARY

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

خوش انجام

یعنی

بنگالی زبان کا مشہور و معروف ناول

"رادھا رانی" ۳۵

مصنفہ

رائے بہادر بابو بنکم چندر چیٹرجی

مترجمہ

مہاشہ سُدرشن

پبلشرز

میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب۔ لاہور

(لوہاری دروازہ)

تیسری بار (تعداد جلد ۱۰۰۰) قیمت فی جلد ۴ر

ناشرین

پبلشرز

میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب

لاہور

باہتمام

اوم پرکاش پرنٹر گیلانی پریس

لاہور میں چھپکر شائع ہوا

دیباچہ

بنکم بابو کے دلفریب اور عبرت انگیز ناولوں کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ وہ ہماری اُمیدوں سے بڑھ کر کامیاب ہوا ہے۔ اور لوگوں نے اُسے اس قدر پسند کیا ہے۔ کہ تھوڑے عرصہ میں ہی "راج سنگھ" اور "زہریلا آبِ حیات" دونو کے تین ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں۔ اور قدرت کے کھیل بھی چوتھی بار چھپنے والا ہے۔ اس کے لئے ہم اُردو خوان اصحاب کے شکر گذار ہیں۔ جنہوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی ؛

خوش انجام اس سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے۔ یہہ ناول نہیں۔ بلکہ ایک معمولی قصہ ہے۔ لیکن اس کے چند صفحوں میں ہی بنکم بابو نے وہ کچھ بھر دیا ہے۔ جو دیگر ضخیم ناولوں میں بھی نہیں ملتا۔ درحقیقت بنکم بابو کی ذات پر بنگال نہیں بلکہ سارا ہندوستان جس

قدر فخر کرے اُسی قدر کم ہے۔کیونکہ اُس کے جادو رقم قلم نے ہندوستانی ناولوں کا درجہ دُنیا کے سامنے بہت بلند کر دیا ہے ؀

اس قصّہ کو لکھنے سے مصنف کا مُدّعا محض یہ ہے۔کہ جذبۂ شکر گزاری انسان پر فرض ہے۔ اور جب تک اُسے اُتار نہ لیا جائے تب تک دِل کو آرام نہیں مِلتا۔ رادھا رانی بر کمسنی میں ایک اجنبی احسان کرتا ہے۔ اور وہ اُسے نہ صرف یاد رکھتی ہے نہ صرف اُس کا احسان تسلیم کرتی ہے۔ بلکہ فیصلہ کر لیتی ہے۔کہ میرے جسم و دِل پر اگر کوئی قابض ہوگا۔ تو وہی شخص جس نے عالم افلاس میں مجھ سے کلماتِ ہمدردی کہے تھے۔ اور اُس وقت مجھ سے محبّت کا اظہار کیا تھا۔ جب دُنیا میں میرے لئے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں۔ وہ اپنی یاد تک اس اجنبی کی نذر کر دیتی ہے۔ اور تصفیہ کر لیتی ہے۔کہ اگر اس کا پتہ نہ ملا۔ تو اُس کے نام کی مالا جپتے ہوئے دُنیا کی بہار کو تنہائی میں گذار دوں گی۔ کیسا ایثار ہے۔جس کی نظیر بھارت سے سوائے کسی اور مُلک میں نظر نہیں آسکتی ؀

پبلشرز

خوش انجام

پہلا باب

بڑے گھر کی بیٹی

رادھا رانی بڑے گھر میں پیدا ہوئی تھی۔ لیکن اب دانے دانے کو ترستی تھی۔ اس کا باپ لاکھوں کا وارث تھا لیکن اس کی موت کے ساتھ ہی بقیہ کُنبے کی قسمت نے بھی چکر کھایا اور اُن پر مقدمے بن گئے۔ اُن مقدموں میں رادھا رانی کی ماں کے ہاتھ سے نہ صرف ساری جائداد ہی جاتی رہی بلکہ اُسے اپنے گھر سے بھی نکلنا پڑا۔ جو روپوں میں کھیلتی تھی۔ جو دس لاکھ کے قریب کی مالکہ تھی وہ پیسہ پیسہ کو محتاج ہو گئی۔ جو امارت میں پیدا ہوئی تھی۔ جو عیش و

آرام میں پلی تھی۔ اُس پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ لیکن مقدّمے کا چسکا بُرا ہوتا ہے۔ رادھا رانی کی ماں چاہتی۔ تو زیوروں پر بہ آسانی بسر اوقات کر سکتی تھی۔ مگر دس لاکھ کی جائداد ہاتھ سے جاتی دیکھ کر وہ خاموش نہ رہ سکی۔ اُس نے اپنے سارے زیور فروخت کر کے پریوی کونسل میں اپیل دائر کروا دی۔ اور آپ فاقے کرنے لگی ؛

جب بُرے ایّام آتے ہیں تو قسمت تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور کوئی امداد کو آگے نہیں بڑھتا۔ اچھّے دنوں میں جو لوگ رفاقت کا دعوےٰ کرتے ہیں وہ مُنہ پھیر لیتے ہیں۔ اپنے پرائے ہو جاتے ہیں۔ اور رشتہ دار خط کا جواب نہیں دیتے۔ جو واقف کار ہوتے ہیں۔ وہ پہچان کر بھی نہیں پہچانتے۔ اور ملنے جُلنے والوں کو کثرتِ کار سے فرصت نہیں ملتی۔ جو بات کے پکّے اور قول کے سچّے ہوتے ہیں۔ اُن کا حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اور اُنہیں اپنی باتیں یاد نہیں رہتیں ؛

رادھا رانی کی ماں کے ساتھ بھی اِس قسم کا سلوک ہوا۔ خود غرض دُنیا میں اُسے کسی نے امداد نہ دی جو محلّوں میں رہتی تھی۔ وہ غریبانہ طور پر ایک

جھونپڑی میں زندگی بسر کرنے لگی۔ محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنی لڑکی رادھا رانی کا پیٹ پالنے لگی۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت بنگال میں آٹھ نو سال کی عمر میں ہی لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی تھی۔ اس سے زیادہ عمر تک لڑکیوں کو کنوارا رکھنا ذلت خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن جسے کھانے کو بھی میسّر نہ ہو وہ اپنی لڑکی کی شادی کیسے کرے۔ رادھا رانی کی بھی گیارہ برس کی عمر تک شادی نہ ہو سکی ؛

بُرے دنوں میں تکلیف پر تکلیف آتی ہے۔ ایک دُکھ گزرنے نہیں پاتا۔ کہ دُوسرا آ موجود ہوتا ہے۔ رادھا رانی کی ماں کا افلاس دُور نہ ہوا تھا کہ بیماری نے آ دبایا۔ اور محنت مزدوری کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ جو غربا کو کھلا کر کھاتی تھی۔ بڑے بڑے امیروں کی عورتیں جس کے مُنہ کی طرف دیکھتی تھیں جو بھوکوں کی آواز سُن کر تڑپ اُٹھتی تھی۔ اور اُنہیں کھلانے کو بیتاب ہو جاتی تھی۔ وہی عورت خود کھانے کو ترسنے لگی۔ اسے کیا کہیں۔ تقدیر کے رنگ یا پچھلے جنم کا پھل کیونکہ اس جنم میں تو اس نے کوئی پاپ کیا نہ تھا۔ لیکن دُنیا کا قاعدہ ہی کچھ اِس قسم کا ہے کہ جو بھلے

ہوتے ہیں۔ جو دوسروں کو ستانا بُرا سمجھتے ہیں جو کمزوروں کی امداد کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ دُنیا والے اُنہی سے بُرا سلوک کرتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو رادھا رانی کی ماں رانی سے خادمہ کیوں بن جاتی۔ اور عرش سے فرش پر کیوں گر پڑتی؟ پرماتما کی لیلا نیاری ہے۔ اس کے کام عجیب ہیں۔ وجہ معلوم ہو یا نہ۔ لیکن یہ طے شدہ امر ہے۔ کہ وہ جو کچھ کرتا ہے درُست کرتا ہے۔ اور اس کے ہر کام میں انسان کی بھلائی پوشیدہ رہتی ہے ممکن ہے۔ کہ رادھا رانی کی ماں کے دُکھ کے درخت میں بھی سُکھ کے پھل پھُول لگیں ٭

رادھا رانی کی ماں تو بیماری کے باعث کچھ کھا نہ سکتی تھی۔ لیکن رادھا رانی افلاس کی وجہ سے فاقے کرنے لگی۔ مگر تھی نیک بخت زبان سے اُف تک نہ کی۔ اُس کو اپنی بھُوک کی پرواہ نہ تھی۔ فکر یہ تھی کہ ماں کا علاج کیسے ہو۔ حکیم فیس مانگتا تھا۔ دُکان دار قیمت مانگتا تھا۔ اور رادھا رانی کے پاس پھُوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ اُس نے بہُت سوچا۔ مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ چاروں طرف تاریکی دکھائی دی۔ بڑے گھر کی بیٹی تھی۔ کسی کے آگے ہاتھ بھی نہ پسار سکی۔ مایوس ہو کر رونے لگی ٭

دُوسرا باب

جنگلی پھُولوں کا ہار

روتے روتے اُسے خیال آیا کہ آج رتھ یاترا کا میلہ ہے۔ تاریکی میں بجلی چمک گئی۔ آنسو رُک گئے۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر باہر گئی اور جنگلی پھُولوں کا ایک ہار بنا لائی۔ دل ہی دل میں اُس نے سوچا۔ کہ میلے میں ہزاروں آدمی آئیں گے۔ وہ اور کئی قسم کی اشیاء خریدیں گے۔ کیا میرا ہار دو چار پیسے کو نہ بک جائے گا۔ جو قیمت ملے گی۔ اُس سے ماں کے لئے دوائی بنا دوں گی۔ جس نے مجھے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے کیا اُس کی خدمت کرنا میرا دھرم نہیں ؟

یہ خیال دل میں اور جنگلی پھُولوں کا ہار ہاتھ میں لے کر رادھا رانی رتھ یاترا کے میلے پر گئی۔ لیکن میلہ لگنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ بارش شروع ہو گئی۔ اور لوگ منتشر ہو گئے۔ رادھا رانی بھیگنے کی پرواہ نہ کرکے اس

امید پر کھڑی رہی کہ بارش بند ہو جانے پر میلہ پھر لگے گا۔ اور میرا ہار بک جائے۔ لیکن پانی برسنا بند نہ ہوا۔ جو انسان سوچتا یا چاہتا ہے۔ اگر وہی ہو جائے تو کائنات میں سے اُداسی کافور ہو جائے۔ اور دُنیا ایک طویل قہقہے کی شکل میں بدل جائے ۔

بارش ہوتی رہی۔ رادھا رانی کھڑی رہی۔ اسی طرح دن گذر گیا۔ شام ہو گئی۔ لیکن رادھا رانی کو امید پھر بھی دھوکا دیتی رہی۔ وہ بیچاری ہار لئے مسلسل بارش میں بھیگتی رہی۔ لیکن نہ بارش رُکی نہ میلا لگا۔ اور نہ اُس کو اپنے ہار کا کوئی خریدار ملا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور تاریکی نے اپنا سیاہ دامن پھیلا دیا۔ اب رادھا رانی کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔

لمبا سفر۔ گیارہ برس کی اکیلی لڑکی اور تاریک رات جیسے اس کے دل کی تاریکی نے اور بھی تاریک بنا دیا تھا۔ رادھا رانی کا کلیجہ کانپنے لگا۔ قدم قدم پر پھسلن تھی۔ لیکن رادھا رانی گھر کو روانہ ہوئی۔ کیونکہ اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ ادھر آسمان سے بارش ہو رہی تھی۔ ادھر معصوم لڑکی اپنی ماں کی بیماری اور اپنی بے بسی

پر رو رہی تھی۔ بارش کے نیچے دوسری بارش شروع تھی۔ وہ روتی روتی راستہ طے کر رہی تھی۔ قدم قدم پر گرتی۔ لیکن پھر اُٹھ کر چلنے لگتی۔ اُس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ جوڑا کھلا ہوا تھا۔ جسم کانپ رہا تھا۔ لیکن وہ چل رہی تھی اور ہار اُس نے چھاتی سے لگا رکھا تھا۔ خیال تھا۔ ممکن ہے۔ کوئی خریدار مل جائے۔ ہائے امید! تو کیسی دھوکے باز ہے!

یکلخت کسی کا پاؤں رادھا رانی کے پاؤں پر پڑا جس سے رادھا رانی کی چیخ نکل گئی۔

چیخ کی آواز سُن کر اجنبی نے کہا۔ "کیوں کیا ہوا؟"

"ہوا کیا ہے؟ تم نے میرا پاؤں مسل ڈالا ہے"۔

"اوہو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ لیکن تم ہو کون"؟

رادھا رانی تاریکی میں دیکھ تو نہ سکی کہ اجنبی کون اور کیسا ہے۔ لیکن آواز سُن کر اُس نے یہی سمجھا۔ کہ کوئی نیک طبیعت اور رحم دل آدمی ہے۔ رونا موقوف کر کے بولی:۔

"مَیں ایک غریب لڑکی ہوں۔ میری صرف ایک ماں ہے"۔

اجنبی نے پوچھا۔ "تم کہاں سے آ رہی ہو"؟

"رتھ یاترا کے میلہ سے۔ مگر رستہ نظر نہیں آتا"۔

اجنبی نے پھر دریافت کیا "تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"شری رام پور میں"۔

اچھا۔ میرے ساتھ ساتھ آجاؤ۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ پہلے تمہیں تمہارے گھر پہنچا دونگا۔ تمہارا گھر کس محلّہ میں ہے؟..... دیکھو گر پڑو گی۔ میرا ہاتھ پکڑ لو۔

رادھا رانی کو قدرے حوصلہ ہوا۔ اُس نے اجنبی کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونو آہستہ آہستہ پھسلن سے بچتے ہوئے چلنے لگے۔ باتوں سے اجنبی سمجھ گیا کہ لڑکی ابھی کم عمر ہی ہے۔ تاہم اُس نے باتوں کا سلسلہ شروع کرنے کے لئے پوچھا:۔

"تمہاری عمر کتنی ہے؟"

"دس گیارہ سال"۔

"تو اس قدر چھوٹی ہونے پر اکیلی رتھ یاترا میں کیوں گئی تھی؟"

"میری ماں گھر میں بیمار ہے۔ اور دوائی کے لئے پیسہ نہیں"۔

"تو پھر؟"

اِسی لئے یہ جنگلی پھولوں کا ہار لے کر میلہ میں گئی تھی کہ ممکن ہے کوئی خرید لے"۔

اجنبی کو رادھا رانی کے افلاس پر بہت رحم آیا ساتھ ہی اس کی بھولی بھالی باتیں سُن کر دل میں محبّت پیدا ہوئی۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا :۔

"تو کیا وہ ہار بک گیا"؟

"نہیں"

اس لفظ میں ایسی حسرت بھری ہوئی تھی۔ کہ اجنبی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر اُنہیں پونچھ کر بولا "اچھّا ہوُا۔ مجھے ایک ہار کی اشد ضرورت تھی۔ میلہ ختم ہو جانے کے باعث نہ مِل سکا۔ مجھے دے دو۔ تو مَیں خرید لوں"۔

رادھا رانی کو اِس سے اوّل تو خوشی ہوئی۔ مگر پھر خیال آیا کہ اس سے قیمت کیسے مانگوں گی ؟ یہ .... میرے ساتھ اِتنی نیکی کر رہا ہے۔ مَیں خود غرضی کیسے دکھاؤں گی۔ یہ تو نہ ہوگا۔ لیکن ماں کی دوائی کیسے ہوگی۔ ہائے افسوس!

آخر رادھا رانی نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ قیمت مانگوں گی نہیں۔ لیکن اگر یہ خود بخود دے دیگا۔ تو انکار بھی نہ کروں گی۔

یہ سوچ کر اُس نے ہار اجنبی کو دے دیا۔

ہارے کہ اجنبی نے کہا "لے چار پیسے"۔
رادھا رانی اُن پیسوں (؟) کو دیکھ کر بولی "یہ کیا یہ تو بڑے بڑے ہیں"۔
"ہاں ادھنّیاں ہیں۔ اسی وجہ سے دو دی ہیں۔
"لیکن یہ تو چمک رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ روپے ہیں"۔
"نہیں۔ نئے ٹکسال سے آئے ہیں۔ اس لئے اِن میں چمک ہے۔
"اچھا۔ گھر جا کر دیکھوں گی۔ اگر پیسے نہ ہوئے۔ تو واپس لوٹا دُوں گی۔ تم ذرا سی دیر کے لئے ٹھیر جاؤ گے نہ"؟
اتنے میں دونوں رادھا رانی کی جھونپڑی کے قریب پہنچ گئے۔ رادھا رانی بولی "میرا مکان یہی ہے مگر ذرا ٹھہر جاؤ۔ تاکہ میں دیا جلا کر دیکھ لوں کہ یہ روپے تو نہیں"۔
اجنبی نے جواب دیا "پہلے کپڑے بدل لو۔ بعد میں چراغ جلانا۔ ورنہ بیمار ہو جاؤ گی"۔
نہیں مجھے گیلے کپڑے پہننے کی عادت ہے۔ کیونکہ میرے پاس دُوسرے کپڑے نہیں ہیں۔ اس لئے میں

دھوتی کا آنچل نچوڑ کر پہنے لیتی ہوں۔ مگر اس میں دیر نہ لگے گی۔ میں ابھی دیا جلاتی ہوں ۔

"اچھا"

رادھا رانی گھر میں گھس گئی۔ مگر چراغ کا پتہ نہ تھا۔ چراغ ملا تو دیا سلائی کی تلاش ہوئی۔ بہت دیر کے بعد دیا سلائی کی ڈبیہ دستیاب ہوئی۔ تب جا کر دیا جلایا۔ رادھا رانی نے دیکھا کہ اجنبی نے جو اُسے دیا ہے۔ وہ پیسے نہیں ہیں روپے ہیں۔ جلدی سے باہر نکلی۔ تو اجنبی جا چکا تھا۔ اس سے رادھا رانی کو بہت قلق ہوا ۔

ماں نے پوچھا "بیٹی۔ حیران کیوں ہے ؟"

رادھا رانی نے ساری بات سُنا دی۔ اور آخیر میں کہا "ماں ! اب کیا کروں ؟"

کرنا کیا ہے بیٹا ! اس نے جان بُوجھ کر تمہیں روپے دئے ہیں۔ تمہاری درد ناک کہانی سُن کر اُسے تم پر رحم آ گیا ہے۔ اس لئے امداد کے طور پر تم سے نیکی کر گیا ہے۔ آج تک دان قبول نہ کیا تھا۔ مگر اب سر غرور بلند نہیں رہ سکتا۔ ان روپوں کے بغیر خرچ کیسے چلے گا ؟"

اِتنا کہہ کر رادھا رانی کی ماں رونے لگ گئی۔ اور اپنے شاندار ماضی کو یاد کر کے ہچکیاں لینے لگی۔ یکایک کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ رادھا رانی نے سوچا وہ لَوٹ آئے ہوں گے۔ لیکن دروازہ کھول کر دیکھا تو وہ فرشتہ سیرت اجنبی نہیں۔ بلکہ پدم لوچن شاہ بزار تھا۔ جس کی دُکان اُن کی جھونپڑی کے قریب ہی تھی۔ اُس نے دھوتیوں کا ایک نفیس جوڑا رادھا رانی کے حوالے کر کے کہا:۔

"یہ رادھا رانی کی دھوتیاں ہیں"۔

رادھا رانی غریب لڑکی تھی۔ اِس بات پر اُسے تعجب ہوا کہ مجھے دھوتیاں کس نے بھجوائی ہیں۔ اِس حیرت کو بزاز نے بھی تاڑ لیا۔ مگر وہ ملائمت سے بولا:۔

"ابھی ایک بابو میری دُکان پر آئے تھے۔ اُنہوں نے نقد دام دیئے۔ اور یہ دھوتی کا جوڑا پسند کر کے کہا۔ کہ رادھا رانی کو دے آؤ"۔

رادھا رانی نے اپنی ماں کی طرف دیکھ کر کہا "معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کپڑا بھی اُنہوں نے خرید کر بھجوا دیا ہے"۔

پدم لوچن بنارس بہت دنوں سے رادھا رانی اور اُس کی ماں کو جانتا تھا۔ جب وہ بھلے دن تھے۔ تب وہ اُن کے ہاتھ چار روپے کا کپڑا آٹھ روپے ساڑھے بارہ آنہ میں بیچ جایا کرتا تھا۔ اور ساتھ ہی قسم کھا جایا کرتا تھا۔ کہ صرف دو آنہ روپیہ میں منافع لیا ہے۔ مگر اب وہ بھی بھلے دِنوں کی طرح اُنہیں حافظہ سے اُتار چکا تھا۔ آج روپوں کی شکل دیکھ کر وہ پھر رادھا رانی کے دروازہ پر آیا۔ روپے تُو دھن ہے۔ میں تجھے نمسکار کرتا ہُوں "

"اس بابو کو پہچانتے ہو"؟

پدم لوچن نے جواب دیا "کیا تم کو معلوم نہیں کہ وُہ کون ہے"؟

"نہیں"

"میرا تو خیال تھا۔ کہ وہ تمہارا کوئی رشتہ دار ہے"

رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔ اس سے پدم لوچن کو کیا۔ اُس نے سوچا چار روپے کا کپڑا نو روپے پونے چودہ آنے کو بیچ چکا ہوں۔ مجھے اس سے

کیا غرض کہ وہ کون تھا کون نہیں تھا۔ یہ سوچ کر اُس نے کپڑا رادھا رانی کو دیا۔ اور آپ دُکان کو لوٹ گیا ۔

رادھا رانی ایک روپیہ لے کر بازار گئی۔ اور ماں کے لئے دوائی لائی۔ چراغ میں تیل نہ تھا۔ اِس لئے تیل بھی لیتی آئی۔ اور دیا جلا کر چوکا صاف کرنے لگی۔ وہاں اُسے ایک لپٹا ہؤا کاغذ ملا۔ اُسے اُٹھا کر رادھا رانی نے اپنی ماں سے پُوچھا :۔

"ماں یہ کاغذ کیسا ہے"؟

رادھا رانی کی ماں نے کاغذ کی تہ کھول کر دیکھا اور بولی "یہ نوٹ ہے"

"تب یہ بھی وہی پھینک گئے ہیں"۔

"ہاں اس پر تمہارا نام بھی لکھا ہے۔ تاکہ کوئی چوری کا الزام نہ دے" ۔

رادھا رانی اجنبی کے سلوک سے اوّل خوش ہوئی بعد میں حیران ہوئی۔ اور آخر میں یہ نوٹ دیکھ کر اُس کی حیرت عقیدت میں بدل گئی۔ اس نے دل ہی دل میں اجنبی کو ہزار بار نمسکار کیا۔ اور اُسے سینکڑوں دُعائیں دیں۔ پھر ماں سے بولی "یہ

پئے در پئے بھلائیاں کرنے والا ہے کون"؟
اُس کا نام بھی تو نوٹ پر لکھا ہے بیٹی۔ دیکھوں کیا ہے۔ ہاں اُس نیک دل محسن کا نام رُکمنی کمار رائے ہے"۔

دُوسرے دن اُنہوں نے رُکمنی کمار رائے کی بہت تلاش کی۔ مگر شری رامپور اور گرد و نواح میں کوئی پتہ نہ ملا۔ رادھا رانی اور اُس کی ماں دونو غریب تھیں۔ لیکن حریص نہ تھیں۔ اس لئے اُنہوں نے نوٹ کو بھنوایا نہیں۔ بھنوانے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ خرچ کرنے کو چار روپے موجود تھے۔

رادھا رانی کے جنگلی پھولوں کے ہار کی اِتنی قیمت پڑی۔ جس کا اُسے خواب میں بھی خیال نہ تھا۔

تیسرا باب

رنج و راحت

رادھا رانی کی ماں نے دوائی تو کھائی لیکن مرض سے چھٹکارا اس کی قسمت میں نہ لکھا تھا۔ اس لئے دن بدن اُس کی حالت بگڑتی گئی۔ پہلے وہ بہت امیر تھی۔ یک لخت قسمت نے چکر کھایا اور انتہائی افلاس کا دَور شروع ہو گیا۔ یہ وہ آندھی تھی جس کا مقابلہ نہ اس کا دل کر سکا نہ جسم۔ دونو بیمار ہو گئے۔ جسم کی بیماری کی وجہ یہ تھی۔ کہ اس کو کام زیادہ کرنا پڑتا تھا۔ خوراک کم ملتی تھی۔ ذہنی عذاب یہ تھا۔ کہ ہزاروں قسم کے خیالات اُسے شب و روز ستاتے رہتے تھے۔ جسمانی مرض تو تکلیف ہی دیتا ہے۔ لیکن ذہنی بیماری جان لئے بغیر پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اس تکلیف کو وہی جان سکتے ہیں۔

جنہیں یہ بد بختی کے دن کبھی گزارنے پڑے ہیں رادھا رانی کی ماں کو دونو عذابوں کا مقابلہ پڑا وہ امیر گھرانے کی عورت عیش و آرام میں بڑھی ہوئی بیمار ہو گئی۔ اور یہ بیماری ایسی بڑھی کہ آخری دن نزدیک آ گئے ۔

فلسفیوں کی باتیں چھوڑ کر میری سیدھی بات سُن لو۔ جس طرح آرام ہمیشہ نہیں رہتا۔ اس طرح غم کی تاریک رات بھی ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ وقت کا سیلاب اس کے بھی خاتمہ کر دیتا ہے۔ اور جہاں المناک آہیں اُٹھتی ہیں۔ وہیں سے پُر مسرت قہقہے بلند کرتا ہے۔ اس سے سُکھی اور دُکھی دونو کو سبق لینا چاہیئے۔ جو سُکھی ہیں وہ سُکھ کو چلتا پھرتا سایہ سمجھیں اور دُکھیوں کو تکلیف نہ دیں۔ کہ اُن کی قسمتوں کا بدل جانا کوئی مشکل نہیں۔ اور جو دُکھی ہیں وہ اس خیال سے اپنے ٹوٹے ہوئے دل کو ڈھارس دیں۔ کہ جو انسان کے خیال سے بھی بعید ہے۔ وہ دستِ قدرت کی پہنچ سے باہر نہیں ۔

جس قسمت نے رادھا رانی کی ماں کو عرش سے فرش پر گرایا تھا۔ اُسے بھی کچھ دیر کے بعد اس کا

خیال آیا تو اُس نے اُسے پھر پہلے درجے پر چڑھا دیا۔ پریوی کونسل میں رادھا رانی کی ماں مقدمہ جیت گئی۔ جو پیسے پیسے کی محتاج تھی۔ وہ لاکھوں کی مالک بنی ۔

کامیا کھیا ناتھ جو اُس کی طرف سے ہائی کورٹ میں وکیل تھے۔ وہ یہ خبر سُنانے کے لئے خود آئے اسے سُن کر رادھا رانی کی ماں کی آنکھوں میں آنسو آگئے یہ آنسو خوشی کے آنسو تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولی :-

"جس چراغ کی بتّی جل چکی ہے۔ اُس میں تیل ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ممکن ہے اگر پہلے مقدّمہ کا خاطر خواہ فیصلہ ہو جاتا تو میں بچ جاتی۔ لیکن اب اس کی قطعاً امید نہیں۔ وجہ یہ کہ جو کچھ ہونا تھا۔ ہو چکا ہے۔ اب تو ظاہر داری باقی رہ گئی ہے۔ ورنہ میری موت میں شبہ نہیں۔ ہاں یہ خوشی ضرور ہے کہ رادھا رانی کو تکلیف نہ ہوگی۔ لیکن اس کا بھی یقین نہیں۔ کیونکہ وہ بالکل معصوم ہے۔ اور دُنیا سفید پوش بدمعاشوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس لئے آپ کا ہی آسرا ہے۔ میری خواہش پوری

کریں تو آپ کا بیش ہوگا ؞

کامیاکھیا ناتھ بہت شریف آدمی تھے۔ رادھا رانی کے باپ اور اُن سے بہت دوستانہ تعلّقات تھے۔ جب رادھا رانی اور اُس کی ماں کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ تو اُنھوں نے رادھا رانی کی ماں سے کہا تھا۔ کہ جب تک مقدّمہ کا نتیجہ نہ نکلے۔ اور آپ کو جائداد کا قبضہ نہ مل جائے۔ تب تک آپ میرے مکان میں اُٹھ چلیں۔ میں آپ کو اپنی والدہ کے بجائے سمجھوں گا۔ لیکن رادھا رانی کی ماں نے اسے منظور نہ کیا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اسے شوہر کی ہتک سمجھتی تھی۔ اس پر کامیاکھیا بابو نے مالی امداد دینا چاہا۔ رادھا رانی کی ماں غریب تھی۔ پیسے پیسے کو لاچار تھی۔ خواہش ہوئی کہ امداد لے لوں۔ لیکن دل نے کہا۔ نہیں۔ سر جھک جائیگا۔ جن آنکھوں میں آج تک غرور بسا ہے۔ وہاں سے غیرت کے تلخ آنسو پھوٹیں گے۔ سچ کی بجائے جھوٹ بولی ؞

آپ کو پرماتما اور زیادہ دے۔ میرے پاس خرچ کے لئے روپیہ ہے نہ ہوگا تو خود مانگ کر لے لونگی" ؞

اس کے بعد کامیا کھیا بابو کو یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ اُن کی حالت اس قدر خراب ہو چکی ہے۔ کہ دوائی کے لئے چار پیسے بھی پاس نہیں۔ آج یکایک رادھا رانی کی ماں کی حالت دیکھ کر اور اس کی عاجزانہ گفتگو سُن کر انہیں بہت صدمہ ہؤا۔ ساتھ ہی افسوس بھی ہؤا۔ کہ دوست کی بیوی سے اس قدر بے پرواہ رہے۔ آبدیدہ ہو کر بولے "آپ حکم دیجئے۔ مَیں حرف بحرف تعمیل کرونگا"

رادھا رانی کی ماں نے جواب دیا "میرے مرنے میں اب دیر نہیں۔ خیال یہ ہے کہ رادھا رانی کا اب کیا بنے گا۔ اگر مقدمے کا فیصلہ ہمارے خلاف ہوتا تو اُسے پیسے پیسے کا محتاج ہونا پڑتا۔ اُس حالت میں بھی مجھے اس کی فکر ہوتی۔ لیکن اب وہ لاکھوں کی مالک ہے۔ اس سے میری فکر کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھ گئی۔ وجہ یہ ہے کہ دولت کا لالچ دُنیا میں بہت گناہ کرواتا ہے۔ نیز دولت جس جس کے پاس ہو۔ اُسے اندھا کر دیتی ہے۔ آپ سے یہ عرض ہے۔ کہ اس سُنہری مگر خار دار دلدلی راہ میں رادھا رانی کے سر پر ہاتھ رکھے رہیں۔ تاکہ

اُسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ مرے ہوئے والدین اُسے یاد نہ آنے پائیں۔ اگر آپ اُس سے اپنی بیٹی کی طرح سلوک کرنے کا اقرار کریں۔ تو میں اطمینان کی موت مر سکوں گی"۔

کامیاکھیا بابو بولے "کیا کہوں۔ گذشتہ لاپرواہی پر سخت نادم ہوں۔ لیکن اب قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ رادھا رانی کو اپنی لڑکی سے بھی زیادہ چاہونگا۔ جب تک زندگی ہے۔ اس بات میں فرق نہ ہوگا"۔

جو مرنے والی تھی۔ اُسے کامیاکھیا بابو کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اعتبار آ گیا۔ اس کے خشک ہونٹوں پر مسکراہٹ کی بجلی چمکی۔ اُس بجلی کو دیکھ کر کامیاکھیا بابو نے سمجھ لیا کہ اب زیادہ دیر نہیں موت کی گھڑیاں نزدیک سرک رہی ہیں۔

اس وقت اُنھوں نے اصرار کیا۔ کہ آپ میرے مکان پر چلے چلیں۔ رادھا رانی کی ماں کو جو غرور تھا۔ وہ افلاس کا غرور تھا۔ جب تک افلاس تھا۔ تب تک اُسے نبھایا۔ لیکن اب افلاس کی تاریکی جا چکی تھی۔ دولت کا چاند نا پاکھ آیا تھا۔ اب وہ غرور ٹوٹ چکا تھا۔ کامیاکھیا بابو کے گھر جانے کو راضی

ہو گئی۔ وہ خوشی سے پھُولے نہ سمائے ؛

لیکن جس کی آ چکی ہو۔ اُسے مکان بدلنے سے آرام نہیں ہوتا۔ رادھا رانی کی ماں چل بسی۔ وہ دُنیا میں یتیم رہ گئی۔ لیکن جس کے پاس دولت ہے۔ دُنیا اُسے یتیم نہیں۔ بلکہ مائی باپ کہتی ہے۔ رادھا رانی کا دل روتا تھا۔ مگر دُنیا کی آنکھیں باہر کو دیکھتی ہیں ؛

کچھ وقت کے بعد کامیاکھیا باؤ کی امداد سے رادھا رانی اپنی جائداد پر قابض ہو گئی۔ لیکن کم سن ہونے کے باعث کامیاکھیا بابو نے اُسے اپنے ہاں ہی رکھ لیا اور خود ہی اُس کی جائداد کے منتظم بن گئے۔ ورنہ کورٹ آف وارڈس ہو جاتا ؛

کامیاکھیا بابو نئی روشنی کے دلدادہ تھے۔ اُنہوں نے سوچا۔ بچپن کی شادی تباہ کُن ہے۔ رادھا رانی کو کوئی ذات سے تھوڑا نکال دیگا۔ اس لئے جب جوان ہوگی۔ بیاہ کے قابل عمر کو پہنچے گی۔ اُس وقت بیاہ کر دونگا۔ ابھی تعلیم کی طرف رجوع کرے۔ یہ سوچ کر اُنہوں نے رادھا رانی کے پڑھنے لکھنے کا انتظام کر دیا۔ لکشمی کی روشنی میں رادھا رانی سرسوتی کی پُوجا میں محو ہو گئی ؛

چوتھا باب

دِل کی بات

پانچ سال گزر گئے۔ رادھا رانی جوان ہو گئی
شعلۂ حسن کا ایک نادر نمونہ۔ لیکن پردہ میں رہتی
اس وجہ سے شورش نہ مچی۔ ورنہ کئی انسان پروانے بن
شہید ہو جاتے۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب کامیاکھیا بابو کو
کے بیاہ کی فکر ہوئی۔ لیکن اُن کی خواہش تھی کہ
رادھا رانی کی مرضی کے بموجب ہو۔ ورنہ ممکن ہے
میں کوئی خرابی کھڑی ہو جائے۔ اس لئے انہوں
اپنی لڑکی بسنت کماری کو کہا۔ کہ رادھا رانی
دل کا پتہ لو۔ بسنت کماری اور رادھا رانی
بہت محبّت تھی۔ دن رات اکٹھی رہتی تھیں۔ دل
کی بات ایک دُوسرے پر ظاہر کر دیتی تھیں۔ بسنت
کماری نے باپ کی بات سُنی تو خاموش سی ہو گئی

اور تھوڑی دیر کے بعد زمین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی :-

"کوئی رکمنی کمار ہیں"؟

کامیاکھیا بابو نے چونک کر جواب دیا۔ نہیں۔ مگر کیوں پوچھتی ہو"؟

رادھا رانی نے فیصلہ کر رکھا ہے۔ کہ اس کی شادی ہوگی۔ تو اسی کے ساتھ ہوگی۔ ورنہ نہیں ہوگی"۔

کامیاکھیا بابو سناٹے میں آ گئے "یہ کیا؟ رادھا رانی اُسے کب سے جانتی ہے"؟

بسنت کماری نے مسکرا کر میلے کا واقعہ سنایا۔ اور آخر میں کہا۔ کہ اُس دن سے رادھا رانی اس بات پر اڑی ہوئی ہے۔ کہ "اس نیک دل اجنبی کے سوائے کسی اور کے ساتھ ہرگز ہرگز بیاہ نہ کروں گی"۔

کامیاکھیا بابو نے اوّل رادھا رانی کے خیال کی تعریف کی۔ مگر بعد میں کہا کہ اُسے سمجھا کر کہنا کہ تم غلطی پر ہو۔ اگر موقعہ ملے تو اُس شخص کے ساتھ کوئی نیکی کرنی چاہئے۔ مگر اُس کے ساتھ شادی کرنے کے لئے اپنے اوپر پابندی عاید کر لینا حماقت

ہے - اور کون جانے کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں
اور اگر ہے تو کہاں ہے - اور کس ذات کا ہے -
فرض کیا کہ وہ مل جائے - اور اُس کی ذات بھی
بیاہ میں رُکاوٹ نہ ہو - اُس صورت میں بھی ممکن
ہو سکتا ہے - کہ وہ شادی شدہ ہو - اور اس کے
ہاں بال بچّے ہوں - پھر شادی کیسے ہو سکے گی - اور
تو اور کون جانے - وہ خود رادھا رانی کے ساتھ
شادی کرنے کو آمادہ بھی ہو یا نہیں "۔

بسنت کماری نے ساڑھی کو سر پر دُرست
کرکے جواب دیا :- لیکن مشکل یہ ہے کہ رادھا
رانی اپنی ہٹ پر قائم ہے - اُس نے اُس رات
سے فرض کر لیا ہے - کہ مَیں اُس کی ہو چکی ہوں
جس طرح لوگ دیوتاؤں پر پھول پتاشے چڑھاتے
ہیں - اُسی طرح رادھا رانی اُس رُکمنی کمار کی تصویر
کو اپنے دل کے آسن پر رکھ کر پُوج رہی ہے -
اتنے برسوں کا خواب کیسے بھُولے گا - اتنے عرصہ
کی اُمید کیسے ٹوٹے گی - یہ بھگوان ہی جانے
جب سے مَیں اُس سے واقف ہوئی ہوں - ایک
دن بھی ایسا نہیں گیا - جب اُس نے رُکمنی کمار

کا ذکر نہ کیا ہو"۔

"یہ تو بہت بُری بات ہے۔ اس کی دوا ہونی چاہیئے۔ لیکن اس علاج کا پہلا درجہ یہ ہے کہ رُکمنی کمار کا پتہ لگایا جائے۔

مگر پتہ لگنا آسان نہ تھا۔ گرد و نواح میں آدمی بھیجے گئے۔ یار دوستوں کو چٹھیاں لکھی گئیں۔ اخباروں میں اشتہار دئے گئے۔ لیکن رُکمنی کمار کا پتہ نہ لگا دن گزرے ہفتے گزرے مہینے گزرے۔ مہینوں سے سال گزر گئے۔ دُنیا تبدیل ہو گئی۔ لیکن رادھا رانی کا دل تبدیل نہ ہؤا۔ عورت۔ تو دھنیہ ہے۔ تیرے دِل کو دھنیہ ہے۔

رادھا رانی ابھی اِس مشکل سے نکلنے نہ پائی تھی۔ کہ اس پر ایک اور مصیبت ٹوٹ پڑی۔ کامیاکھیا بابو چل بسے۔ کامیاکھیا بابو کی سچّی محبّت کو یاد کرکے اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا فوّارہ اُچھل پڑا۔ جب کریا کرم اور شرادھ وغیرہ ہو چُکا تو رادھا رانی نے اپنی جائداد کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور کامیاکھیا بابو کے مکان سے اپنے مکان میں اُٹھ گئی۔ حساب کے رجسٹر دیکھے

تو معلوم ہؤا - کہ کامیا کھیا بابو کے حسن انتظام سے بُہت منافع رہا ہے - اُس نے دل ہی دل میں اُن کو نمسکار کی - دو لاکھ روپیہ گورنمنٹ کو بھیج دیا تاکہ ایک یتیم خانہ قائم کر دیا جائے - جس کا نام "رُکمنی کمار" یتیم خانہ ہو ؛

جب افلاس کے دن آئے تھے - تو رادھا رانی کی ماں نے اپنا گاؤں مرزا پور چھوڑ کر راج پور میں جھونپڑی بنالی تھی - کیونکہ جہاں امارت کے دن گزرے ہوں - وہاں افلاس میں نگاہیں اُوپر نہیں اُٹھتیں - رادھا رانی کو روپیہ ملا - تو اُس نے بھی راجپور میں ہی محل بنوایا - اس محل کے سامنے یتیم خانے کی عظیم الشان عمارت تیار ہوئی - دُور دُور سے غربا وہاں آنے لگے - رادھا رانی صبح اُٹھتی تو سب سے پہلے اُس عمارت کو دیکھتی - جو اپنے دل کے مالک کی یادگار میں اُس نے تعمیر کرائی تھی ؛

پانچواں باب

دونوطرف سے

ایک دن اس یتیم خانہ میں ایک شریف آدمی آیا۔ اُس کی عمر ۳۵-۳۶ سال کے لگ بھگ تھی خوبصورت شکل۔ رُعب دار چہرہ۔ محبت سے بھری ہوئی آنکھیں۔

رُکمنی کمار یتیم خانہ دیکھتے ہی ٹھٹک گئے اور ایک پہرہ دار سے بولے "یہ مکان کس کا ہے؟"

پہرہ دار نے جواب دیا "کسی کا نہیں یتیم خانہ ہے۔ یہاں غریب لوگ رہتے ہیں"۔

"اِس کے اندر جا کر دیکھنے کی ممانعت تو نہیں"۔

"یہاں تو یتیم بھی جا سکتے ہیں۔ پھر آپ کو کیوں ممانعت ہوگی۔ آپ تو معزز آدمی معلوم ہوتے ہیں"۔

وہ اندر چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر بولے "بہت عمدہ انتظام ہے۔ یہاں خوراک کس کی طرف سے تقسیم ہوتی ہے۔ کیا اُن کا نام رُکمنی کمار ہی ہے؟

"نہیں۔ یہ سب خرچ ایک خاتون کی طرف سے ہوتا ہے۔

"تو پھر اس کا نام رُکمنی کمار یتیم خانہ کیوں ہے؟"

پہرہ دار نے جواب دیا "ہم نہیں جانتے۔"

"اچھا۔ رُکمنی کمار کس کا نام ہے؟"

"کسی کا نہیں"۔

"جس کی طرف سے یتیم اور غریبوں کو کھانا ملتا ہے۔ اُس کا مکان کہاں ہے؟"

"وہ سامنے"

"اجنبی نے پوچھا" تم نے مکان بتا دیا۔ لیکن کیا وہ غیر مردوں سے بات چیت کرتی ہیں۔ ناراض نہ ہونا۔ آج کل بڑے گھرانوں کی مستورات عموماً پردہ نہیں کرتیں۔

مگر یہ اُس خیال کی نہیں۔ پردے کی سخت حامی ہیں۔

یہ سُن کر اُنہوں نے کچھ دیر تک سوچا اور پھر آہستہ آہستہ رادھا رانی کے محل کی طرف بڑھے ۔

اُن کی پوشاک میں نہ تو تڑک بھڑک تھی اور نہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ محتاج ہیں۔ ہاں اُن کی اُنگلی میں جو انگوٹھی تھی۔ اس میں اتنا بڑا ہیرا تھا کہ رادھا رانی کے پہرہ دار دنگ رہ گئے اور اُن کی ہمّت نہ پڑی کہ اُن سے سوال کریں۔ کہ آپ کون ہیں۔ پس اُنہوں نے نائب صاحب کو بُلا کر سامنے کر دیا۔ پہرے داروں کی جان چھوٹی ۔

نائب نے پوچھا "کہئے کیا ارشاد ہے؟"

اجنبی نے ایک چٹھی نائب کے حوالے کی اور بولے:۔

"یہ اندر بھیجوا دیجئے۔ مجھے جواب چاہئے"۔

"میری مالکن کم سن ہیں۔ اس لئے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جو چٹھی باہر سے آتی ہے۔ جب تک اوّل مَیں نہ دیکھ لوں۔ تب تک اندر نہیں جا سکتی"۔

"آپ دیکھ لیں"۔

نائب نے چٹھی دیکھی۔ لکھا تھا ۔

پیاری بہن!

جو مہاشہ آپ کے پاس آتے ہیں وہ مرد ہیں لیکن اس کے باوجود بابو کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کرو۔اور جو کچھ بات چیت ہو۔اس سے مجھے اِطّلاع دو ٭ تمہاری بہن بسنت کماری

چٹھی پڑھ کر نائب بہت چکرائے۔لیکن دستخط بسنت کماری کے تھے۔اُس سے اور رادھا رانی سے نہایت گہرے تعلّقات تھے۔اس لئے خاموش ہو گئے اور چٹھی اندر بھیج دی ٭

تھوڑی دیر کے بعد اندر سے نوکر نے آکر کہا "یہ چٹھی کون لائے ہیں"؟

"کیوں"؟

"چلئے۔اندر بُلایا ہے"۔

اجنبی مہاشہ اندر گئے۔نوکر نے اُنہیں ایک کمرہ میں بٹھا دیا۔ایک نوکرانی رادھا رانی کو اطلاع دینے گئی۔دُوسرے آڑ میں کھڑے ہو کر اُنہیں دیکھنے لگی۔اُس نے دیکھا کہ اجنبی کا رنگ گورا جسم لمبا۔مانتھا چوڑا۔آنکھیں موٹی موٹی۔بال خوبصورت اور گردن دلفریب ہے۔ہاتھوں کی اُنگلیاں نہایت دل کش ہیں۔اور اُن میں سے

ایک ہیں جو انگوٹھی ہے۔اُس کا ہیرا تو بہت ہی دل کش ہے"۔

رادھا رانی کمرہ میں آئی۔تو اجنبی مہاشہ کو ایسا معلوم ہوا۔گویا ایک اور آفتاب طلوع ہوا ہے۔شعاعِ حُسن سے اُس کے بال چمک اُٹھے۔

واجب تو یہی تھا کہ بات چیت کا سلسلہ وہ ہی شروع کرتے۔کیونکہ وُہ مرد تھے۔اور رادھارانی سے عمر میں بڑے تھے۔لیکن جادُوئے حسن سے اُن کی زبان بند ہو گئی۔اور وہ چُپ چاپ اُس کی طرف دیکھنے لگے۔رادھا رانی نے ناراض ہو کر کہا"آپ نے اِس طرح تنہائی میں مجھ سے کیوں ملنا چاہا۔میں عورت ذات آج تک کسی کے سامنے نہیں ہوئی۔یہ صرف اپنی سکھی کا خیال ہے۔جو آپ سے ملنا منظور کیا"۔

اجنبی نے جواب دیا"مَیں نے ہی آپ سے ملنا چاہا ہے یہ غلط ہے"۔

رادھا رانی شرمندہ ہو کر بولی"اچھا۔یہ نہ سہی لیکن بسنت کماری نے ایسا اصرار کیوں کیا؟خط میں اُس نے کچھ نہیں لکھا۔شاید آپ بتا سکیں"۔

اجنبی نے ایک پُرانا کاغذ رادھا رانی کو دکھایا یہ کاغذ اشتہار تھا۔ جو کامیاکھیا بابو نے رُکمنی کمار کی تلاش کے لئے دیا تھا۔ رادھا رانی کھڑی ہوگئی اور کیلے کے پتّے کی طرح کانپنے لگی۔ اُس نے دل ہی دل میں سوچا "کیا یہی رُکمنی کمار ہیں۔ کوئی اور تو نہیں۔ بظاہر بولی "کیا رُکمنی کمار آپ ہی کا نام ہے؟"

اُس وقت اُس کا زنانہ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اجنبی نے جواب دیا "نہیں"

رادھا رانی بیٹھ گئی۔ امید و یاس سے اُس میں زیادہ کھڑے رہنے کی تاب نہ تھی۔ اُسے خیال ہوا تھا۔ کہ ممکن ہے۔ یہی رُکمنی کمار ہوں۔ لیکن نہیں سُن کر اُس کو نا امیدی ہوئی۔ جگنو کی چمک اتھاہ تاریکی میں غائب ہو گئی۔

اجنبی نے کہا "اگر میں ہی رکمنی کمار ہوتا۔ تو کامیاکھیا بابو یہ اشتہار نہ دیتے۔ وہ مجھے اچھّی طرح سے جانتے تھے۔ لیکن اس اشتہار کو میں نے سنبھال کر رکھ چھوڑا"۔

"اگر آپ کو اس کے ساتھ تعلق نہیں تو اسے اپنے پاس رکھنا لا حاصل ہے آپ نے اسے سنبھال کر کیوں رکھا؟"

"تماشہ کے لئے۔ دس برس کی بات ہے۔ مَیں اِدھر اُدھر گھُوما کرتا تھا۔ لیکن اپنا اصلی نام چھُپا کر جعلی نام سے سفر کیا کرتا تھا۔ وہ جعلی نام رُکمنی کمار تھا"۔

"پھر"؟

"میں ایسے کسی آدمی سے واقف نہیں۔ جس کا نام سچ مچ رُکمنی کمار ہو۔ اس لئے خیال گذرا۔ ممکن ہے کوئی مجھے ہی تلاش کرتا ہو۔ تا ہم مَیں نے کامیاکھیا بابو کو ملنا ضروری نہ سمجھا"۔

رادھا رانی کے لئے اب کہانی پُر لُطف صورت اختیار کر چُکی تھی۔ حیرت سے بولی۔ "پھر"؟

اجنبی نے بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے دری کُریدتے ہوئے جواب دیا۔ "جب کامیاکھیا بابو کا شرادھ ہوُا۔ تب بھی میں شریک نہ ہو سکا۔ اُسی کے لئے معذرت کرنے کے خیال سے میں اُن کے لڑکے کے پاس گیا تھا۔ اور یہ اشتہار بھی ساتھ لیتا

گیا۔ موقعہ دیکھ کر مَیں نے اس کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور پُوچھا کہ اُنہوں نے یہ اشتہار کاہے کو دیا تھا۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ رادھا رانی کے اصرار سے۔ مجھے یکا یک یاد آیا کہ ایک رادھا رانی کو مَیں بھی جانتا ہوں۔ رات کا وقت تھا۔ وہ اپنی بیمار ماں کے لئے پھُولوں کا ہار بیچنے نکلی تھی۔ آسمان سے پانی برس رہا تھا۔ اور وہ مایُوس ہو کر گھر کو واپس لَوٹ رہی تھی "۔

یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے شدّت رنج سے اُن کی زبان بند ہو گئی ۔

رادھا رانی کی آنکھ میں بھی پانی آ گیا۔ لیکن وہ اُسے پی گئی اور بولی " اِدھر اُدھر کی باتوں سے کیا حاصل۔ آپ اپنی بات کریں " لیکن اس کا دل اُسے روکتا تھا۔ کہ کیا کہتی ہے۔ انہیں جو کچھ کہتے ہیں۔ کہنے دے ۔

اجنبی نے کہا " اِدھر اُدھر کی بات نہیں۔ رادھا رانی دیوی تھی۔ ایسی لڑکی مَیں نے دُنیا میں نہیں دیکھی۔ دھوئے ہوئے پھُول کی مانند خُوبصورت اور تپے ہوئے سونے کی طرح صاف شفاف اس

کی گفتگو میں امرت کا اثر اور شہد کی حلاوت تھی
اُس کے لفظ لفظ میں راگ کا سوتا تھا۔ ایسی
آواز مَیں نے آج تک نہیں سُنی۔ ویسی صُورت
بھی مَیں نے آج تک نہیں دیکھی"۔

مگر اجنبی نے دل ہی دل میں کہا۔ شاید...
معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج وہی صورت سامنے بول
رہی ہے"۔

ناظرین کا خیال ہوگا۔ کہ اجنبی بہت خراب آدمی ہے۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے۔

چھٹا باب
شناخت

اجنبی نے سوچا کیا یہ وہی رادھا رانی ہے۔ اُسے دیکھے برسوں گذر گئے۔ لیکن اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا وہ واقعہ ابھی کل کا ہے کیا وہ رادھا رانی یہی رادھا رانی ہے۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ غریب جھونپڑی میں رہتی تھی۔ یہ حکومت کرتی ہے۔ وہ پیسے پیسے کو ترستی تھی۔ یہ ہزاروں کو خیرات دیتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

ادھر رادھا رانی اجنبی کی باتیں سُن کر لٹو ہو رہی تھی۔ وہ سوچتی تھی۔ تم جو تعریف رادھا رانی کی کر رہے ہو۔ وہ تم پر ہی صادق اُترتی ہے آج اِتنے سالوں کے بعد رادھا رانی کو چھلنے کے لئے اپنا نندن بن چھوڑ کر تُم زمین پر کیسے اُتر

آئے۔ مَیں جو دن رات تمہاری پُوجا کرتی تھی۔ کیا اس سے بھولے ناتھ مطمئن ہو گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے تم انتریامی ہو۔ اگر انتریامی نہ ہوتے۔ تو یہاں کیونکر آتے۔ اگر آ بھی جاتے تو مجھے کیونکر پہچانتے۔ مَیں دل میں تمہاری پُوجا کرتی ہوں۔ لیکن زبان سے راز باہر تو نہیں نکلا ۔

ہم سچّی بات کہیں گے۔ دونو ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر مرتے تھے۔ لیکن آج پہلی دفعہ اُنہوں نے دن کی روشنی میں ایک دُوسرے کو دیکھا۔ رُکمنی کمار نے سوچا۔ کیا ایسی موہنی صورت اور کہیں بھی ہے ۔

زمین کے گرد سمندر ہے۔ زمین کے اوپر ندیاں ہیں۔ اُن میں بیشمار جیو ہیں۔ خشکی پر بیشمار شہر ہیں اُن شہروں میں بے شمار آدمی ہیں۔ اُن آدمیوں میں لاکھوں عورتیں ہیں۔ لیکن کیا ان میں ایسا روشن، ایسا میٹھا، ایسا دلکش، ایسا مُسکراتا ہؤا مگر ایسا سنجیدہ ایسا کھلا ہؤا مگر ایسا شرمیلا ایسا چنچل مگر ایسا ہوشمند چہرہ کہیں اور بھی ہے"۔

بہت دنوں سے پہچانا ہؤا مگر بالکل نیا۔ بالکل پرایا

مگر بالکل اپنا۔ رُعب دار مگر کشش والا چہرہ کیا کہیں اور بھی ہے"۔

رادھا رانی بولی "مگر بڑی مشکل سے۔ کیونکہ آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور آنسوؤں کے ساتھ غضب کی ہنسی۔ پتہ نہیں۔ ایسے وقت میں ہنسی کہاں سے آ گئی۔ کہیں سے آئی۔ اس سے کیا بحث ہم فلاسفی کے پروفیسر نہیں۔ ہم قصہ لکھنے بیٹھے ہیں جو کچھ بیتی ہے۔ سو لکھ رہے ہیں"۔

رانی رادھا رانی ہنس کر بولی "اس وقت تک تو آپ بکھارن کی کتھا کرتے رہے ہیں۔ اب یہ کہئے۔ مجھے کیوں درشن دئے ہیں۔ اچھا۔ یہ بھی جانے دو۔ یہ کہو کیا اِسی طرح باتیں کی جاتی ہیں۔ جس کے گلے سے لپٹ کر رونے کی خواہش ہوتی ہے۔ پران ناتھ! پرانیشور۔ سوامی کے نام سے جسے پکارنے کو دل تڑپتا ہے اور "کیوں جی وُہ نگوڑی رادھا رانی تمہاری کون ہوتی ہے"۔ یہ کہہ کر جس سے دل لگی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کیا اُس سے آپ "شریمان" "درشن دئے ہیں"۔ کے الفاظ میں باتیں کی جاتی ہیں، تم محبت کی بازی جیتنے میں ماہر ہو۔ تمہارا دل محبت

کا دریا ہے۔ اسی لئے یہ سوال تم سے کیا ہے"۔
کہنے کو تو یہ بات کہہ دی۔کیسی بڑی بات۔
ہندو عورت مرتی مرجاتی ہے۔مگر ایسی بات نہیں کہتی۔لیکن رادھا رانی کے دل کو جو برسوں کی لگی ہوئی تھی۔اُس کو بجھانا بھی تو تھا۔بعد میں پچھتائی۔لیکن منہ سے بات نکل چکی تھی۔زمین کی طرف دیکھنے لگی۔

رُکمنی کمار بولے "وہی تو مَیں کہہ رہا تھا۔اسی رادھا رانی سے میرا تعارف تھا۔اس کی یاد ہردم رہتی تھی۔تمہیں دیکھا یاد ہری ہو گئی۔تاریکی میں اُمید کی بجلی چمک گئی۔ممکن ہے یہ رادھا رانی میری رادھا رانی ہو"۔

"تمہاری رادھا رانی" کہہ کر رادھا رانی ہنسی۔
یہاں کہانی چھوڑ کر ایک بات میری سُن لو۔کیا کسی سے ہنسے بغیر بھی رہا جاتا ہے۔اگر تم نے برسوں کسی کی یاد میں گزارے ہوں۔اور پھر اُس سے ملنے پر ہنسی نہ آئے۔تب رادھا رانی کو بُرا بھلا کہنا۔ورنہ تمہارا کیا حق ہے؟

رُکمنی کمار نے جواب دیا "ہاں میری رادھا رانی

اُسے ایک بار ہی دیکھا تھا۔لیکن اس پر بھی آٹھ سال سے اس کی تصویر میرے آئینہ دل میں نقش ہے۔اس لئے وُہ میری رادھا رانی ہی ہے"۔

" بہت اچھا۔آپ کی رادھا رانی ہی سہی"۔

اس خیال سے میں نے کامیاکھیا بابو کے لڑکے سے دریافت کیا تھا کہ "رادھا رانی کون ہے"؟ اُنہوں نے جواب دیا " ہماری ایک رشتہ دار لڑکی ہے"۔ مَیں نے کہا۔اگر آپ یہ بتا دیں کہ وہ رُکمنی کمار کو کیوں ڈھونڈھتی تھی۔تو ممکن ہے۔مَیں اس کا پتہ بتا سکوں۔اس پر کامیاکھیا بابو کے لڑکے نے کہا" میں تو نہیں جانتا۔کہ رادھا رانی کیوں رُکمنی کمار کو تلاش کرتی تھی۔لیکن میری بہن شاید جانتی ہو۔ یہ کہہ کر اندر گیا۔اور اپنی بہن سے یہ چٹھی لکھا لایا۔نیز بولا کہ بہن کہتی ہے رادھا رانی نے صاف صاف مجھے بھی نہیں بتلایا۔کہ وہ رُکمنی کمار کو کیوں تلاش کرتی ہے۔اور کہا ہے۔کہ وہ چٹھی لے کر خود راجپور چلے جائیں۔رادھا رانی ہمیشہ خیرات بانٹتی رہتی ہے"۔

میں اس کے مُطابق آپ کی خدمت میں حاضر

ہُوں - کچھ قصور تو نہیں کیا؟"

رادھا رانی نے جواب دیا "معلوم ہوتا ہے - آپ بہت تذبذب میں ہیں - اسی لئے یہاں آئے ہیں - پتہ نہیں - آپ جس رادھا رانی کو ڈھونڈھتے ہیں - اُسے مَیں جانتی ہوں یا نہیں - لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے - جب تک آپ اُس کا سارا حال مجھ سے بیان نہ کر دیں"

رکمنی کمار نے سر جھکا کر وہ واقعہ بیان کیا - جو پہلے باب میں بیان کیا جا چُکا ہے - صرف اِتنی بات چُھپا گئے - کہ اُنہوں نے رادھا رانی کو کچھ روپے اور کپڑے دئے تھے - رادھا رانی کو موقعہ ہاتھ آیا - چمک کر بولی "معاف کیجئے گا - صاف صاف کہنا پڑتا ہے - آپ بہت بے درد ہیں - ورنہ کوڑی کوڑی کے لئے محتاج غریب لڑکی کی کچھ امداد ہی کرتے - لیکن آپ نے کچھ نہ کیا"

"کیا کرتا - اُس دن ناؤ پر چڑھ کر رتھ یاترا کا میلہ دیکھنے گیا تھا - اور پتہ نہیں دل میں کیا خیال آیا کہ اپنا نام رُکمنی کمار رائے تجویز کر لیا - اصلی نام کو چُھپا کر یہ میلہ دیکھا - لیکن تیسرے پہر

زور کی بارش ہوئی - اس لئے ناؤ میں بیٹھنے کی جرأت نہ ہوئی - پیدل روانہ ہونا پڑا - رادھا رانی کو دیکھ کر امداد کا خیال آیا - لیکن اس وقت پاس نقدی زیادہ نہ تھی - اس لئے جو کچھ تھوڑی سی امداد ہو سکی کر دی - میری خواہش یہ تھی کہ دوسرے دن آکر ان کی خبر لوں گا - لیکن اتفاقاً پتا جی بیمار ہو گئے اور مجھے کاشی جانا پڑا - وہاں بہت دیر لگ گئی - سال کے بعد واپس لوٹا - لیکن اس سال کے عرصے نے میرے دل سے رادھا رانی کا خیال دُور نہ کر دیا تھا - اُس کی تصویر میرے آئینۂ دل میں ویسی کی ویسی بنی ہوئی تھی - مَیں اُسی جھونپڑی میں گیا - لیکن وہ وہاں نہ تھے - جھونپڑی خالی تھی "

رادھا رانی نے پوچھا " ایک بات پوچھتی ہوں معلوم ہوتا ہے - اُس دن آپ بارش کے باعث ہی رادھا رانی کی جھونپڑی میں گئے تھے - وہاں آپ کتنی دیر ٹھیرے ہونگے ؟"

" زیادہ نہیں - مَیں نے رادھا رانی کو جو دیا تھا - وہ اُسے دیکھنے اندر گئی تھی - اُس وقت مَیں اُس کے لئے کپڑا خریدنے چلا گیا "

"اور بھی کچھ دیا تھا"۔

"کیا دیتا - ایک چھوٹا سا نوٹ جیب میں تھا وہ بھی جھونپڑی میں پھینک دیا تھا"۔

"یہ آپ کی غلطی تھی - اُن لوگوں نے سوچا ہوگا - کہ یہ نوٹ غلطی سے گر گیا ہے"۔

"مگر مَیں نے تو پنسل سے اُس پر دستخط بھی کر دئے تھے - تاکہ اُن کو یہ دھوکا نہ لگے - نیز بھنوانے میں دقّت نہ ہو - اس لئے جب یہ اشتہار دیکھا اور رادھا رانی کا نام سُنا تو میرے دل میں یکایک خیال آیا کہ ممکن ہے - وہی رادھا رانی ہو - اور اُسی رُکمنی کمار کو تلاش کر رہی ہو"۔

"اسی لئے تو میں کہتی تھی کہ تم بڑے بیدرد ہو - جو آپ کے قدم چُھونے کے لئے ....."

یہ کہتے ہی .... جس طرح پھول کی کلی میں بھرا ہوا پانی نیچے جُھکانے سے آن واحد میں بہنے لگتا ہے - اُسی طرح رادھا رانی نے سر جھکایا تو اُس کی آنکھوں سے پانی برسنے لگا - رادھا رانی دل کی بے اختیاری پر بہت شرمائی اور جس طرف

رُکمنی کمار بیٹھے تھے۔ اُس طرف اپنے مُنہ پر ساڑھی کا آنچل نیچے کھینچ کر باہر نکل گئی ۔

معلوم ہوتا ہے۔ رُکمنی کمار نے رادھا رانی کی پھُول جیسی آنکھوں میں پانی کے قطرے نہیں دیکھے یا شاید دیکھ ہی لئے ہوں۔ بُڈھا مُصنّف آجکل کے نوجوانوں کی باتیں نہیں جانتا ۔

ساتواں باب

عورت کا دِل

باہر آکر رادھا رانی نے ہاتھ منہ دھویا اور سوچا کہ یہ تو وہی رُکمنی کمار ہیں۔ اور میں بھی وہی رادھا رانی ہوں۔ آج تک اندر ہی اندر ایک دوسرے پر جان چھڑکتے رہے ہیں۔ اب کیا تدبیر ہو ۔

میں وہی رادھا رانی ہوں۔ اس کا یقین دلانا

تو آسان ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میری ذات کے نہ ہوں یا اگر ہوں تو کنوارے نہ ہوں۔ اس حالت میں کیا ہوگا۔ ان کے ساتھ بات چیت کرنا بے فائدہ ہے۔ نہ سہی شادی نہ ہوگی تو نہ سہی۔ اُن کے نام کی مالا سمرن کرتے ہوئے زندگی گذارنا تو مشکل نہیں جس طرح زندگی آج تک کٹی ہے۔ اُسی طرح آگے بھی کٹ جائے گی۔ مشکل کیا ہے"۔

"مشکل کیا ہے" کہہ تو دیا۔ لیکن کیا یہ کام آسان ہے۔ رادھا رانی کا سر چکرانے لگا۔ آنکھوں سے تھمے ہوئے آنسو پھر بہنے لگے۔ رادھا رانی نے دل کو سنبھالا۔ آنکھوں کے آنسو پونچھے۔ اور پھر سوچنے لگی۔

"ممکن ہے یہ میری ذات کے ہی نکل آئیں لیکن کون جانے وہ شادی شدہ ہی ہوں۔ دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے۔ اُن کی عمر ذرا زیادہ ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ اب تک کنوارے ہوں۔ کنوارے نہ سہی۔ شادی شدہ ہی ہوں۔ تو کیا اس حالت میں بھی شاید ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

رادھا رانی نے ذرا ٹھیر کر سوچا" نہیں یہ نہیں ہو سکتا - نام لیتے ہوئے مر جانا زیادہ اچھا ہے لیکن سوت کا جلاپا نہ سہا جائے گا ۔

تو اب کیا کروں ؟ کیا ذات پات کا سوال پوچھوں اور بتلا دوں کہ میرا اس رادھا رانی سے کیا تعلق ہے - اور یہ بھی پوچھ لوں کہ وہ کون ہیں - کیونکہ یہ تو وہ خود ہی کہہ چکے ہیں - کہ کسی کمار اُن کا اصلی نام نہیں ۔

اس کے بعد ؟ اس کے بعد کیا ہوگا - کیا اُنہیں وداع کر دوں - اور اندر بیٹھ کر قسمت کو روؤں - واہ ری بسنت کماری ! تو نے خواہ مخواہ کے جھنجھٹ میں ڈال دیا - کیا تجھے یہ معلوم نہیں - کہ اس سنسار سمندر کو بلونے سے کسی کو امرت ملتا ہے - اور کسی کو زہر ۔

اچھا - اپنا آپ ظاہر تو کروں - یہ کہہ کر رادھا رانی نے جسے جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھ کر رکھا ہوا تھا - اُسے باہر نکالا - یہ تھا وہی پرانا سو روپے کا نوٹ - اُسے اپنے آنچل میں باندھتے ہوئے سوچا - "اچھا ! اگر میری قسمت نے یاوری کی اور ہر ایک بات

میری خواہش کے بموجب ہی نکلی - باقی معاملہ چھیڑیگا کون؟ کیا مَیں آپ؟" اس پر رادھا رانی ہنسی کے مارے لوٹ پلٹ ہو گئی - پھر سوچا" نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ مَیں اپنے مُنہ سے تو کچھ نہ کہہ سکوں - تو کیوں نہ اُنہیں ایک دو دن کے لئے روک کر بسنت کو بُلا لوں - اِس اثناء میں یہ میری لائبریری کی کتابیں پڑھتے رہینگے - وہ بنائی بھی تو انہیں کے لئے ہے - لیکن اگر وہ اس پر راضی نہ ہوئے یا اُنہیں کوئی ضروری کام ہؤا - تو پھر کیا ہوگا - تو کیوں نہ مَیں خود ہی بات چیت کا سلسلہ شروع کر دوں - انگریزوں کی لڑکیاں یہی کرتی ہیں - مگر ہمارے لوگ تو اسے بھی بُرا سمجھتے ہیں - کہ لڑکی دس بارہ سال کی عمر میں بیاہی نہ جائے - اور میری عمر انیس سال کی ہو چکی ہے - یہ بھی انگریزوں کی لڑکیوں کا ہی دستور ہے ؛

جب کوئی راستہ نہ ملا تو رادھا رانی رنجیدہ ہو گئی - اور پھر سوچنے لگی" مان لو یہ بھی ہو جائے تو بھی مشکل ہی ہے - زبان کیسے کھُلے گی - گوری لڑکیوں میں ہی یہ رسم ہے - کہ مرد سے خود بات چھیڑیں - اگر اُنہوں نے کچھ نہ کہا ...... کچھ ذکر نہ چھیڑا تو مَیں کیا کروں گی - مرد کے سامنے عورت پہلے بات کیسے کر سکتی ہے ؟

بھگوان! شرم بھی تم نے پیدا کی ہے۔ اور میرے دل میں جو آگ ہے۔ وہ بھی تم نے ہی لگائی ہے۔ کیا اُس آگ میں شرم جل کر خاک نہ ہو جائیگی۔ میں یتیم ہوں۔ میری امداد کرنے والا کوئی نہیں۔ مجھے تھوڑی دیر کے لئے بے حیا بنا دو۔ میری زبان کھول دو ۔

آٹھواں باب

ناز و نیاز

معلوم ہوتا ہے۔ بھگوان دِل سے نکلی ہوئی بات کو ضرور منظور کر لیتے ہیں۔ ورنہ رادھا رانی کو ایسا حوصلہ کیسے ہو سکتا۔ وہ مُسکراتی ہوئی آہستہ آہستہ رُکمنی کمار کے پاس ..... رُکمنی کمار ہی لیں گے۔ اصلی نام تو ابھی معلوم نہیں ہؤا۔ رُکمنی کمار کے پاس پہنچی ۔

کمار نے کہا "میں اب تک چلا گیا ہوتا۔ لیکن ایک تو آپ نے وداع نہیں کیا۔ دُوسرے جو بات دریافت کرنے

آیا تھا۔ وہ معلوم نہیں ہوئی۔ اس لئے نہیں گیا"۔

"آپ رادھا رانی کے لئے آئے تھے۔ اُسے مَیں جانتی ہوں۔ اس مکان میں بھی ایک رادھا رانی ہے۔ یہ بھی سچ ہے۔ لیکن وہ آپ کو جانتی ہے یا نہیں۔ اِسی کا تصفیہ کرنے کے لئے مَیں آئی ہوں"۔

"پھر"

رادھا رانی نے بہت کچھ مُسکرا کر اپنے جسم کے اِرد گِرد دیکھ کر ہاتھ کے موٹے کڑے کو کُریدتے ہوئے رُکمنی کمار کی طرف نہ دیکھ کر کہا۔ "آپ کا بیان ہے کہ رُکمنی کمار آپ کا اصلی نام نہیں ہے۔ جس دیوتا کا وہ دِن رات پُوجن کرتی رہتی ہے۔ اسکا اصلی نام بھی تو اُسے معلوم نہیں"۔

"یہ دیوتا کس نے کہا ہے"۔

رادھا رانی نے یہ بات معمولی طور سے کہدی تھی لیکن بگڑی کو بنانے کے لئے بولی "نام پُوچھنے کا یہی طریقہ ہے"۔

رُکمنی کمار نے جواب دیا۔ "میرا نام دیویندر نارائن رائے ہے"۔

رادھا رانی کے دِل کا کنول کِھل گیا۔ اُس نے دِل ہی دِل میں ایشور کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "پربھو تیری

دیا کا پار نہیں۔ ذات تو رل گئی۔ ظاہرا کہا "راجہ دیویندر نارائن کا نام تو سُنا ہوا ہے"۔

"ضرور سُنا ہوگا"۔

میرا حوصلہ بڑھ گیا "آپ میری ذات کے ہیں۔ اِس لئے جی چاہتا ہے کہ آج آپ میرے مہمان ہو کر رہیں"۔

"یہ بعد میں دیکھا جائیگا۔ پہلے یہ کہو "رادھا رانی کون ہے"؟

"کھانا کھا چکنے کے بعد بتلاؤں گی"۔

"دِل میں فکر ہو تو کھانے کا مزہ نہیں آتا"۔

"لیکن اُس کے لئے آپ اِتنے متفکّر کیوں ہیں"؟

رُکمنی کمار نے رادھا رانی کو ایک عجیب نگاہ سے دیکھتے ہوئے جواب دیا "فکر ہے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ یہ فکر آٹھ برس سے ہے"۔

ایک ہی دفعہ رادھا رانی کا حال بتلاتے ہوئے مجھے ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔ آپ رادھا رانی کو پائیں گے تو کیا کریں گے"؟

"دیکھوں گا اور کیا کروں گا"۔

رادھا رانی نے اُس نگاہ سے جس میں پتھر کو پگھلانے کی قوّت بھری ہوئی تھی۔ رُکمنی کمار کو دیکھا اور کہا۔

"کیا ایک دفعہ دیکھنے کے لئے ہی آٹھ برس سے اُسے دِل میں رکھتے ہُوئے ہو"؟

"ہاں دُنیا میں سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں"۔

"اچھا۔ آپ بھوجن کر لیں۔ اس کے بعد مَیں آپ کی رادھا رانی آپ کے سامنے پیش کر دوں گی لیکن یہ جو بڑا آئینہ ہے۔ اس میں عکس دکھاؤں گی۔ ایک دُوسرے کو آمنے سامنے نہ دیکھ سکیں گے"۔

"اِس میں ہرج کیا ہے۔ مَیں تو اس کے لئے آٹھ برس سے بیتاب ہوں"۔

"یقین نہیں آتا۔ اچھا یہ تو کہیئے کہ آپ نے جب اُسے دیکھا تھا تو اُس کی عمر کیا تھی"؟

"گیارہ برس ہوگی"۔

"گیارہ برس کی لڑکی کا اِتنا خیال۔ ایسا پیار"؟

"کیوں اس میں تعجب کیا ہے"؟

"ایسا کبھی سُنا نہیں"۔

راجہ دیویندر ناتھ نے دل ہی دل میں کہا "پتھر کی مورت! اب پہچنتی بھی ہے یا نہیں۔ بظاہر بولے "کیا اِسے دِل لگی سمجھتی ہو"؟

"ہاں اور کیا سمجھ سکتی ہوں"؟

"مجھے صرف اس کے دیکھنے کی خواہش ہے"۔
"میں دکھا دوں گی۔ لیکن آئینے میں۔ بولو منظور ہے"۔
"لیکن آمنے سامنے ہونے میں کیا ہرج ہے"؟
"وہ بہت شریف گھرانے کی لڑکی ہے"۔
"آپ بھی تو شریف گھرانے کی ہی ہیں"۔
میری کچھ جائداد ہے۔ اس کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے بعض وقت پردہ نشینی نہیں نبھ سکتی۔ لیکن وہ اپنے شوہر کے بس میں ہے"۔
"شوہر"۔
"ہاں اس میں تعجب کیا ہے"؟
"اس کی شادی ہو گئی"؟
"ہندو کی لڑکی اُنیس سال کی عمر تک کنواری بیٹھ سکتی ہے"؟
راجہ دیویندر نارائن کا مُنہ سُرخ ہو گیا جیسے کسی نے طمانچہ مار دیا۔ رادھا رانی بولی "کیا اُس کے ساتھ بیاہ کی خواہش تھی"؟
"انسان خواہش کس بات کی نہیں کرتا"۔
"کیا اِس بات سے رانی صاحبہ واقف ہیں"؟

"کون رانی صاحبہ؟ رادھا رانی سے مُلاقات ہونے سے پیشتر ہی میری عورت کا اِنتقال ہو چُکا تھا"۔

رادھا رانی کے دِل کا بوجھ ہلکا ہو گیا لیکن اینٹھ نہ چھوڑی۔ پوچھا "یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ رادھا رانی کا بیاہ ہو چُکا ہے۔ کیا اب بھی اُسے دیکھنے کی خواہش ہے"؟

"ہاں ہے"۔

"اور یہ خواہش جائز ہے"؟

"رادھا رانی مجھے تلاش کیوں کرتی تھی۔ یہ تو مجھے اب بھی معلوم نہ ہوا"۔

"جو احسان آپ نے اس پر کیا تھا۔ اُس کا معاوضہ دینے کے لئے۔ کیا آپ لے لیں گے"۔

"جو کچھ دیا تھا۔ وہ ملے تو لے لیں گے"۔

"کیا کیا دیا تھا"؟

"ایک نوٹ"۔

"یہ لو"۔

"دیو بندر نارائن نے دیکھا۔ وہی نوٹ ہے وہی دستخط۔ سناٹے میں آ گئے۔ تھوڑی دیر کے

بعد بولے "کیا اِس نوٹ کو رادھا رانی کے شوہر نے دیکھا ہے"؟

رادھا رانی اب جھُوٹ کو زیادہ دیر نہ نبھاہ سکی۔ آہستہ سے بولی "وہ ابھی کنواری ہے۔ اُس کے بیاہ کی بات مَیں نے جھُوٹ کہی تھی"۔

"اچھا۔ تو ابھی سب چیزیں واپس نہیں لیں"۔

"اور کیا باقی ہے"؟

"دو روپے اور کپڑا"۔

"اگر سارا قرضہ بے باق کر دیا گیا۔ تو آپ بغیر کھانا تناول کئے واپس چلے جائیں گے۔ مہاجن حساب ہو جانے پر بھی کہیں ٹھیرا کرتے ہیں۔ آپ کھانا کھا لیں۔ تو رادھا رانی آپ کا باقی حساب صاف کر دے گی"۔

"پھر بھی بہت کچھ باقی رہ جائے گا"۔

"وہ کیا۔ یہ بھی کہہ ڈالیئے"۔

"مَیں نے اُس کو نقد دل دیا تھا۔ کیا وہ بھی دے گی"؟

" رادھا رانی ضبط نہ کر سکی - بولی " وہ اپنا دل و دماغ بہت دنوں تک آپ کے پاس رہن رکھے رہی ہے - اس لئے یہ قرضہ ادا ہو چکا ہے "۔

چوٹ برابر کی تھی - لیکن راجہ صاحب خاموش نہ رہے - جلدی سے بولے " سود تو ملا ہی نہیں "۔

" ضرور ملیگا - گھبرائیے نہیں "۔

" کیا ملے گا ؟ "

" شبھ لگن - شبھ گھڑی اور شبھ مہورت دیکھ کر اپنے عورت کے جسم کو آپ کی نذر کرکے رادھارانی آپ کا سود ادا کر دے گی "۔

یہ کہہ کر رادھا رانی کمرے سے باہر نکل گئی ۔

نواں باب

خاتمہ

رادھا رانی کا حکم پاکر نائب صاحب آئے اور راجہ دیو بندر نارائن کو باہر والی کوٹھی میں لے گئے۔ وقت مقررہ پر راجہ صاحب نے کھانے سے فراغت حاصل کی۔ اس وقت رادھا رانی سامنے بیٹھی تھی۔ اُس نے کہا۔ آپ کے دو روپے نقد اور کپڑا میرے ذمہ ہیں۔ کپڑا پھٹ گیا۔ روپے خرچ ہو گئے۔ اِس لئے یہ اشیاء واپس نہیں مل سکتیں۔ ان کے بدلے میں آپ کے لئے جو کچھ رکھا ہوا ہے۔ وہ لے لیجئے"۔ یہ کہکر ایک ہیروں کا ہار لے کر راجہ صاحب کے گلے میں پہنانے کو آگے بڑھی۔ لیکن اُنہوں نے روک دیا اور کہا "اگر دینا ہی ہے تو اپنے گلے کا ہار دو"۔

رادھا رانی نے ہنستے ہنستے اپنے گلے کا ہار اُتارا اور راجہ صاحب کے گلے میں ڈال دیا۔ راجہ صاحب بولے "اب ہم تمہارے مقروض ہیں"۔ "وہ کیسے؟"

"پھولوں کے ہار کی قیمت تو تم نے واپس کر دی۔ اب وہ پھولوں کا ہار تمہیں واپس دینا ہے"۔

رادھا رانی نے ہنس کر کہا۔ "وہ میں نے تمہیں بخش دیا"۔

لیکن راجہ صاحب نے جواب دیا۔ "میں بخشش نہیں چاہتا"۔

یہ کہکر انہوں نے اپنے گلے سے ایک موتیوں کی مالا اُتاری اور رادھا رانی کے گلے میں ڈال کر بولے "اب میں بھی سُبکدوش ہوا"۔

اتنے میں کسی نے شنکھ بجا دیا۔ رادھا رانی نے حیرت سے کہا۔ "یہ کیا؟ شنکھ کس نے بجایا؟"

ایک نوکرانی نے جس کا نام چترا تھا۔ آگے بڑھ کر کہا۔ "سرکار میں نے بجایا ہے"۔

"مگر کیوں بجایا ہے؟"

"انعام لینے کے لئے"۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ چترا کو انعام ملا۔ لیکن اُسے یہ نقطہ رادھا رانی نے خود ہی سکھایا تھا۔

اس کے بعد دونو نے تنہائی میں بیٹھ کر بات چیت کی۔ رادھا رانی نے اپنے تمام حالات راجہ دیو یندر نارائن کو سُنائے۔ اُن کا دل اِس طرح ٹھنڈا ہوا۔ جس طرح گرمی سے تپا ہوا پہاڑ بارش سے سرد

ہو جاتا ہے۔ اُنہوں نے پوچھا "رادھا تمہارا رشتہ دار تو کوئی نہیں۔ لیکن دیکھتا ہوں کہ گھر سارا بھرا ہوا ہے"۔

رادھا رانی نے ہنس کر جواب دیا۔ جب دن خراب تھے تب کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ لیکن جب تقدیر نے پلٹا کھایا تو غیر بھی اپنے ہو گئے۔ میں بھی اکیلی تھی اس لئے اُن کو پاس رکھ لیا"۔

"کیا ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو مجھ جیسے غریب کنگال کو تمہارا کنیا دان دے سکے"۔

"ہاں ہے"۔

"تو پھر ہورت کیوں نہیں نکلواتے"؟

شاید یہ سب انتظام ہو چکا ہو۔ اگر نہ ہو جاتا تو رادھا رانی اس طرح آپ کے ساتھ گفتگو میں مشغول نہ ہوتی۔ کیا خبر ہوں"؟

"ہاں دیر کرنے میں فائدہ ہی کیا ہے"؟

رادھا رانی نے پکارا "چترا"۔

چترا حاضر ہو گئی۔ رادھا رانی نے پوچھا "کیا ساعت دیکھی گئی"؟

ہاں! نائب صاحب نے پروہت جی کو بلایا تھا۔ اُنہوں نے کہا ہے۔ کہ پرسوں بڑی اچھی لگن ہے۔ اب نائب

صاحب انتظام میں مشغول ہیں"۔

بیاہ میں بسنت بھی آئی۔ کامیا کھیا بابو کا لڑکا بھی آیا اور راجہ دیو یندر نارائن کے دوست بھی آئے۔

رادھا رانی نے کہا "بسنت! تمہاری عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے۔ جس کسی کو چاہتی ہو چٹھی دے کر بھیجدیتی ہو۔ یہ کیا؟ لیکن یہ تو کہو۔ جس شریف آدمی کو میں نے تمہارے پاس بھیجا تھا۔ کیا اس نے تمہارا کچھ نقصان کیا ہے"۔

رادھا رانی نے اُسے سارا قصّہ سُنا دیا۔ بسنت بولی "تب تو بہت بُری بات ہوئی۔ مہاجن کو اس کی آسامی کا گھر بتلا دینا واقعی بُری بات ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنا اصل بمعہ سُود لے لیا ہوگا"۔

"اِسی وجہ سے میں تیرے گلے میں پھانسی کی رسّی ڈالونگی"۔ یہ کہہ کر رادھا رانی نے وہی ہیروں کا ہار جو وہ راجہ دیو یندر نارائن کو دینا چاہتی تھی بسنت کے گلے میں پہنا دیا۔ اس کے بعد کیا ہؤا؟

دونو کا بیاہ ہؤا۔ دونو کے کلیجے ٹھنڈے ہو گئے۔ پرماتما کرے۔ جیسا انجام اس قصّے کا ہؤا ہے۔ وہی سب کا ہو۔